پاکستان اور اسلامی حکومت

(جناب مولانا عتیق الرحمن سنبھلی)

[ہندوستان کے مشہور دینی ماہنامہ "الفرقان" (لکھنؤ) کا یہ اداریہ پاکستان کے موجودہ بحرانی دور کے متعلق بڑے درد و سوز کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اس کی سطر سطر سے اُس عظیم اسلامی نصب العین کے لیے تڑپ نمایاں ہے جو کرۂ ارضی کے تمام مسلمانوں کا اصل سرمایۂ حیات ہے۔ یہ تڑپ جب تک باقی ہے، ہمارے مشترک اسلامی احساسات کو دریاؤں اور پہاڑوں کی جغرافی لکیریں کبھی باہم دگر منقطع نہیں کر سکتیں۔ یہی وہ چیز ہے جس نے ہماری نوخیز مملکت کے دورِ تعمیر و تشکیل پر دنیا بھر کے مسلمانوں کی توجہات لگادی ہیں۔ اس اداریے کے مطالعے سے اندازہ کیجیے کہ ہمارے بناؤ اور ہمارے بگاڑ سے ہمارے سرحد پار کے اسلامی ذہنوں کو کتنی گہری دلچسپی ہے۔ پھر یہ سطور اس قابل ہیں کہ ان سے ہمارے ملک کے عوام بھی اور فعال عناصر بھی درس عبرت لیں۔ یہ اداریہ اگرچہ الفرقان کے دسمبر کے شمارے میں شائع ہوا تھا، لیکن ابھی تک یہ پرانا نہیں ہوا ہے۔ اس لیے ہم اسے اپنے صفحات میں پیش کر رہے ہیں۔]

اس وقت کے پاکستان کو دیکھ کر ۴۶-۱۹۴۵ء کا زمانہ یاد آتا ہے جبکہ پاکستان کے حصول کی جد و جہد ہو رہی تھی۔ مسلمانانِ ہند پاکستان کی شکل میں ایک اسلامی حکومت کا خواب دیکھ رہے تھے۔ مسلم لیگ کے قائدین انہیں ملک کے اس سرے سے اُس سرے تک تبلاتے پھر رہے تھے کہ پاکستان کے معنی کیا؟ "لا الٰہ الا اللہ"۔ اور مسلمان تھے کہ ایمان بالغیب کی طرح مان رہے تھے کہ "پاکستان واقعۃً لا الٰہ الا اللہ کی عملی تفسیر ہوگا، وہاں قرآن کی حکومت ہوگی، وہاں اسلام کا سکہ چلے گا، وہاں مسلمانوں کا نظامِ زندگی ان کے مذہب کی روشنی میں تیار ہوگا اور ان کا تہذیب و تمدن غیر اسلامی عناصر سے پاک ہو کر خالص

اسلام کی نمائندگی کرے گا ـــــ لہٰذا پاکستان کی مخالفت لا الٰہ الا اللہ کی مخالفت ہے، اسلام کی مخالفت ہے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کی مخالفت ہے اور ملت کے حق میں ناقابلِ معافی جرم ہے ـــــ جو لوگ پاکستان کے مخالف تھے اور اس کے مقابلہ میں جو سیاسی نظریہ پیش کرتے تھے وہ صحیح تھا یا غلط؟ اس بحث کو جانے دیجیے کیونکہ اس کا وقت گزر چکا ہے۔ لیکن ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیے کہ وہ ان دلفریب نعروں کے متعلق جب یہ کہتے تھے کہ یہ محض فریب ہے، سیاسی چال ہے تو کیا وہ غلط کہتے تھے؟ ان کی بات کتنی سیدھی اور صاف تھی کہ جن لوگوں کی زندگی نہ پہلے اسلامی تھی اور نہ ان نعروں کے لگاتے وقت اسلامی ہے بلکہ جو دینی زندگی کو اختیار کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور اس پر ملائیت کی پھبتیاں کسا کرتے ہیں، ان سے آخر کیسے توقع کر لی جائے کہ وہ ایک اسلامی حکومت کی تعمیر کریں گے۔ حالانکہ اسلامی حکومت اگر واقعی اسلامی حکومت ہو تو اس کی نظرِ احتساب پر سب سے پہلے یہی لوگ چڑھیں گے۔ مگر مسلمان اس وقت نشہ میں تھے۔ وہ اپنے یقین میں کسی تشکیک کی دخل اندازی کے روادار نہ تھے اور گندم از گندم بروید جو ز جو" جیسی ابدی سچائی پر کان دھرنے کے لیے تیار نہ تھے ـــــ مگر کیا کسی کے آنکھیں بند کرنے سے یہ حقیقت باطل ہو سکتی ہے اور جو بو کر گندم کاٹنے کی امید کرنے والے کی امید کبھی پوری ہو سکتی ہے، ایسی امیدوں کا نتیجہ حسرت و یاس کے سوا کبھی کچھ اور نکلا ہے یا کچھ اور نکل سکتا ہے؟ مسلم لیگ کی مغرب زدہ قیادت سے اسلامی حکومت کے قیام کی امیدیں وابستہ کرنے کا نتیجہ آج سامنے ہے۔

جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے اس سرزمینِ پاک پر اسلام مقہور سے مقہور تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور اب اس کو ملّا ازم کا نام دے کر کمیونزم کے ساتھ باندھ کر فنا کے گھاٹ اتارنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ صاف صاف کہا جا رہا ہے کہ "تیرہ سو برس کے عرصہ میں کہیں اسلامی حکومت قائم ہوئی بھی ہے۔ جو آج پاکستان میں قائم ہو گی؟" اور دیدہ دلیری کی حد ہے کہ یہ بات خاص یو۔پی کی راجدھانی میں کہی گئی ہے جہاں آج بھی اگر کوئی کان لگائے تو فضاؤں میں "پاکستان کے معنی کیا؟ لا الٰہ الا اللہ" کے نعرے گونجتے ہوئے ملیں گے۔

جب تک پاکستان بنا نہیں تھا پاکستان کے معنی لا الٰہ الا اللہ کے تھے۔ اس کی مخالفت قرآن

کی مخالفت تھی، قرآنی نظام کی مخالفت تھی، حکومتِ الٰہیہ کی مخالفت تھی، مگر جب پاکستان بن گیا تو قرآنی نظامِ حکومت کی مخالفت ہی میں اس کے استحکام کی ضمانت پوشیدہ ہو گئی اور قرآنی نظامِ حکومت کا مطالبہ تخریبی عمل قرار پا گیا ؏

جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

اُس وقت جن علماء نے پاکستان کے قیام کی مخالفت کی انہیں دشمنِ اسلام اور غدارِ ملت کہہ کر ان کی پگڑیاں اچھلوائی گئیں اور آج جو علماء اور مخلص مسلمان کل کے وعدوں کے مطابق اسلامی حکومت کے قیام کا مطالبہ کر رہے ہیں وہ پاکستان کے دشمن اور شورش پسند قرار دیئے جا رہے ہیں اور ناصحانہ انداز میں فرمایا جا رہا ہے کہ "یہ سب ہندوستان ہی سے گئے ہوئے لوگ ہیں، ان سب کو چاندی کی کشتی میں لگا کر ہندوستان ہی واپس کر دیا جائیگا" ---- یہ ہے اُس خواب کی تعبیر جو سات سال پہلے ہندوستان کے مسلمانوں نے دیکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کو ٹھنڈا رکھے، اچھا ہوا وہ پہلے ہی تشریف لے گئے ورنہ انہیں دیکھنا پڑتا کہ ان کی امیدوں اور آرزوؤں کا انجام کتنا حسرتناک ہے۔

ہمیں ان باتوں پر ذرا بھی حیرت نہیں ہے جو پاکستان کے وزیرِ داخلہ نے لکھنؤ کے ہوائی اڈہ پر ایک مولوی صورت اخباری نمائندے سے کہیں اور نہ ہمیں ان فقروں پر ذرہ برابر حیرت ہے جو انہوں نے (پوری جرأتِ رندانہ کے ساتھ) اس مولویانہ صورت پر چُست کیے۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ سات سال پہلے کی باتیں بے ساختہ یاد آگئیں اور اپنی قوم کی بے شعوری پر بے اختیار ماتم کرنے کو جی چاہنے لگا جو اتنا نہیں جانتی کہ کن لوگوں سے کن باتوں کی امید رکھنی چاہیے۔ کاش یہی تجربہ آئندہ کے لیے اس کی آنکھیں کھول دیتا۔

قیامِ پاکستان کی جدوجہد کے زمانہ میں تحریکِ پاکستان کے لیڈر اپنے مخالف علماء کو طرح طرح کے القاب سے نواز کر جب گندے انڈوں اور ٹماٹروں والی تہذیب کا مظاہرہ کیا کرتے تھے تو لوگ سمجھتے تھے کہ یہ علماء چونکہ ملت فروشی کر رہے ہیں اس لیے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا جا رہا ہے اور یہ اپنے جرم کی بنا پر اسی کے مستحق ہیں لیکن حقیقت یہ تھی جو آج بے نقاب ہو کر سامنے آگئی ہے کہ اس الزام کی آڑ میں دراصل علماء کے وقار کو ختم کرنا مقصود تھا۔ اس لیے کہ انہی کے ذریعہ سے مسلمانوں میں دین کا وقار و احترام اور پاس و لحاظ قائم تھا اور یہی اس کے پاسباں و نگہبان تھے اور دین کے وقار و احترام اور پاس و لحاظ کی موجودگی میں ان

لوگوں کی دال مسلمانوں میں اچھی طرح نہیں گل سکتی تھی، یہ من مانی قیادت نہیں کر سکتے تھے اور قوم ان کی اغراض وخواہشات کا کھلونا نہیں بن سکتی تھی۔ چنانچہ دیکھ لیجیے کہ وہ علماء جنہوں نے تحریک پاکستان کی حمایت کی، اس کو دینی سند بہم پہنچائی اور قائدین لیگ کے کندھے سے کندھا ملا کر چلے یا کم از کم مخالفت نہیں کی وہ آج سربراہ کاران مملکت پاکستان کے اسی طرح معتوب بنے ہوئے ہیں جیسے کہ مخالف علماء تھے۔ ان کا وجود تک برداشت نہیں ہے اور ارادہ ہے (اگر خدا نے پورا ہونے دیا) کہ ان سب کو ملک بدر کر دیا جائے ــــ ان کا کیا جرم ہے؟ انہوں نے بھی قوم کے مفاد سے "غداری" کی تھی، مسلمانوں کو ہندوؤں کے ہاتھ بیچنے کی ٹھانی تھی، اسلامی حکومت (پاکستان) کے قیام میں روڑے اٹکائے تھے؟ آخر ان کا جرم کیا ہے؟

ان کا جرم صرف یہ ہے کہ یہ ان وعدوں کا ایفا چاہتے ہیں جو پاکستان بننے سے پیشتر کیے گئے تھے، یہ اس خواب کی تعبیر چاہتے ہیں جو سات برس پہلے دکھایا گیا تھا۔ وہ پاکستان کا دستور قرآن وحدیث کے مطابق بنوانا چاہتے ہیں، وہ حکومت کو اقامۃ صلوٰۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ادارہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس لیے کہ یہی اسلامی حکومت کی علت غائی ہے اور انہی چیزوں کو قرآن نے مسلمانوں کی حکومت کا نشان تبلایا ہے۔

وَاِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ۔	اور اگر ہم ان کو زمین میں اقتدار بخشیں تو یہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکیوں کا حکم کریں اور برائیوں سے روکیں۔

اور ایسا ہونے میں پاکستان کی موجودہ قیادت کو اپنی موت نظر آتی ہے۔ اپنی پسندیدہ تہذیب و تمدن کا گلا گھٹتا نظر آتا ہے اور ان منکرات کے لیے خطرہ نظر آتا ہے جن کے وہ دلدادہ ہیں اور جو ان کی زندگی کا جزو لاینفک بن گئے ہیں۔ ملک کا دستور قرآن وحدیث کے مطابق ہونے کے بعد کاک ٹیل پارٹیاں جاری نہیں رہ سکتیں، شراب کی بدمستیاں جاری نہیں رہ سکتیں۔ طاؤس ورباب اور جام وسبو کے مشغلے جاری نہیں رہ سکتے، عیش وطرب کی رنگ رلیاں باقی نہیں رہ سکتیں، مینا بازاروں کی جلوہ ریزیاں اور عشوہ طرازیاں باقی نہیں رہ سکتیں، سینماؤں کی عریانیاں باقی نہیں رہ سکتیں، حوا کی جوان بیٹیوں کو سڑکوں، کلبوں اور ہوٹلوں

میں لاکر ذریعۂ تفریح نہیں بنایا جاسکتا اور ان سے مارچ پاسٹ کراکے سلامیاں نہیں لی جاسکتیں ۔ مختصر یہ کہ پاکستان کو لندن، پیرس اور نیویارک نہیں بنایا جاسکتا، جو ان کا منتہاء آرزو ہے اور جس کے بغیر ان کے نزدیک زندگی میں کوئی مزہ نہیں ۔

ضروری نہیں کہ پاکستان کا ہر امیر و وزیر ان چیزوں کا دلدادہ ہو مگر اس میں شبہ نہیں کہ اصل زمام کار جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے ان کا مذاق و مزاج اسی قسم کا ہے ۔ پھر یہ گنتی کے چند افراد ہی نہیں ہیں جو اپنے تحفظات کے لیے اہل دین کو دبانا چاہتے ہیں بلکہ ایک پورے کا پورا طبقہ ہے جس کا ان سے گٹھ جوڑ ہے، کیونکہ اس کا اور ان کا مفاد بالکل ایک ہے، یہ دراصل اسی طبقہ کے نمائندے ہیں اور نمائندگی کا پورا حق ادا کر رہے ہیں اور اس کے اور اپنے مشترک مفاد کے لیے ہر ناکردنی کے لیے تیار ہیں ۔

اور پھر یہ طبقہ صرف اسی سمت سے کوشش پر قانع نہیں ہے بلکہ اپنے بچاؤ کے لیے جتنے بھی جتن وہ کرسکتا ہے سب کر رہا ہے، ایک پورا گروہ کا گروہ اس نے اہل قرآن کے نام سے کھڑا کر دیا ہے جو حدیث و فقہ کے دفاتر پر پوری قوت سے گھن بجا رہا ہے، کیونکہ ان دفاتر سے قرآن کی جو تشریحات اور اسلام کی جو تفصیلات، اس کا عملی و اعتقادی نقشہ اور اس کے حدود و قیود نکلتے ہیں اُن سے علماء کے پیش کردہ مذہبی نقشہ کی تائید و تصدیق ہوتی ہے اور یہ نقشہ اس طبقہ کی خواہشات کے بالکل خلاف ہے ۔ اس لیے کہ اس نقشہ میں اس کی ان دلچسپیوں کی بالکل گنجائش نہیں نکلتی ۔ اور تیسری سمت سے کوشش یہ طبقہ ارباب حکومت کے تعاون سے خود کر رہا ہے، یہ کوشش ہے اپنے مذاق اور اپنی دلچسپیوں کو متعدی کرنے کی، تاکہ وہ اپنی قلت تعداد کی وجہ سے نکّو نہ بن سکے ۔ اس دُم کٹی لومڑی کی طرح جو انگشت نمائی سے بچنے کے لیے اپنی تمام ہم جنسوں کو دُم بریدگی کے فوائد سمجھاتی پھرتی تھی، یا اُس کوزہ پُشت انسان کی طرح جو خود کو طعنہ زنی سے بچانے کے لیے تمام انسانوں کے کوزہ پشت ہونے کے لیے دست بدعا تھا ۔

پس ایک طرف تبرج جاہلیۃ کی تبلیغ کی جارہی ہے ۔ منکرات کو مرغوب بنانے کے لیے فلسفے گھڑے جارہے ہیں، منطقیں چھاٹی جارہی ہیں اور ان اوصاف کی بے محابا نمائشیں کرکے لوگوں کی جھجک دور کی جارہی ہے اور اس مقصد کے لیے سوسائٹیاں قائم کی جارہی ہیں، دوسری طرف ایک نیا اسلام ترتیب دیا

جارہا ہے جس میں رسول کی کوئی حیثیت نہیں، اس کے ارشادات کی کوئی وقعت نہیں۔ اس کے اسوہ حسنہ کی کوئی اہمیت نہیں اور اس کی اطاعت کا کوئی سوال نہیں اور جب رسول ہی کچھ نہیں تو صحابہ کرام اور ائمہ دین کا تو سوال ہی کیا! اسلام کے اس جدید ماڈل میں نماز وہ نماز نہیں جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک کے مسلمان پڑھتے آئے ہیں اور وہ نماز نہیں جس کی صفت قرآن نے تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ بتلائی ہے، بلکہ عیسائیوں کی PRAYER جیسی ہے۔ جس میں نہی عن الفحشاء والمنکر کی کوئی طاقت نہیں اور جس کا گرجا سے باہر کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اسلام عبادات پر کوئی زور نہیں دیتا کیونکہ جس طبقہ کے ایماء پر اس کی ترتیب و تالیف کا کام کیا جا رہا ہے اُسے نہ صرف یہ کہ عبادات سے کوئی دلچسپی نہیں بلکہ وہ انہیں ایک وبال اور جنجال سمجھتا ہے، اور اس کی زندگی کے نقشہ میں ان کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں اس نئے اسلام کو صرف اس منفی پہلو سے دلچسپی ہے کہ عبادات کا رائج نظام اور اس کے قواعد و ضوابط اللہ کے نہیں بلکہ "ملا" کے مدون کردہ ہیں۔ لہٰذا ان کو دین سے خارج کرنا چاہیے اسی طرح یہ اسلام دین کے اخلاقی حدود و قیود اور تمدنی و معاشرتی ضوابط و احکام کو کوئی اہمیت نہیں دیتا بلکہ ممکن حد تک ان کو اس طبقہ کی خواہشات سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ غرض دینی اصطلاحات اور اقدار کے وحی سے متعین شدہ مطالب و مفہومات کو "ملا" کی گھڑنت قرار دے کر ان اصطلاحات و اقدار کو خود تراشیدہ و خود پسندیدہ معنی پہنانے کے لیے اہلِ قرآن کا یہ "برعکس نہند نام زنگی کافور" کا مصداق، گروہ پوری طرح سرگرم عمل ہے ـــــ صلوٰۃ کا ایک نیا مطلب تیار ہے۔ زکوٰۃ کی ایک نئی تشریح حاضر ہے۔ معروف و منکر کا ایک ایسا مفہوم دریافت ہو چکا ہے جس نے معنوی تحریفات کا اب تک کا سارا ریکارڈ توڑ دیا ہے اور اس سب سے بڑھ کر دین کی اصل اساس آخرت کا ایک ایسا تصور پیش کر دیا گیا ہے کہ تنہا وہ ہی اگر مقبول ہو جائے تو بلا کسی مزید کوشش کے دین کی ساری عمارت آپ سے آپ منہدم ہو جائے گی اور "ملا" اور "دینِ ملا" کا خرخشہ ہی ہمیشہ کے لیے مٹ جائے گا۔

یہ دونوں کوششیں پوری سرگرمی کے ساتھ حکومت وقت کی سرپرستی میں جاری ہیں اور تیسرا محاذ خود حکومت نے قائم رکھا ہے۔ جہاں سے مختلف طریقوں سے اہل دین کی کوششوں کو پسپا کرنے کی جدوجہد

جاری ہے۔ سب سے پہلے نفاق کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ کیونکہ یہ طریقہ ہمیشہ بہت کامیاب اور بے خطر رہا ہے۔ جب پبلک میں آتے، زبان پر اسلام اور قرآن جاری ہو جاتا۔ اسلام کے تعلق پر فخر کیا جاتا۔ قرآن جیسی ہدایت کے امین ہونے پر ناز کیا جاتا اور ذو معنین الفاظ میں لوگوں کو یقین دلانے کی کوشش کی جاتی کہ پچھلے وعدوں کو پس پشت نہیں ڈالا گیا ہے مگر منافقت کی ٹٹی خالی زبان کے بل پر قائم نہیں رہا کرتی اس کے لیے کچھ روپ بھرنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے، مگر یہ تقلید اور تکلف ان سے نہ ہو سکا۔ قول و عمل کا تضاد نمایاں سے نمایاں تر ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آنے لگی کہ کعبہ کا نام لے کر قافلہ کو نہایت تیزی کے ساتھ ترکستان کی طرف بڑھایا جا رہا ہے، بعض لوگوں نے اندرونی طور پر قائل و معقول کرنے کی کوشش کی اور بعض لوگوں نے باہر سے احتجاج شروع کیا، جس کے بعد قافلہ کا رُخ کچھ پھرتا نظر آیا۔ اس تبدیلی سے مغرب زدہ طبقہ کو (یہی طبقہ جس کا ذکر ہم نے سطور بالا میں کیا ہے) اپنا مفاد اور اپنا مستقبل خطرہ سے دوچار ہوتا نظر آیا۔ وہ بے چین تھا کہ اس تبدیلی کو کیسے روکے کہ یکایک اسے ایک بہترین موقع مل گیا: قادیانیت کے خلاف ایجی ٹیشن شروع ہو گیا اور بدقسمتی سے بعض جوشیلوں اور جلد بازوں کی بدولت اور عوام کی دینی تربیت نہ ہونے کے باعث بلکہ اُس تربیت کے باعث جو انہیں تحریک پاکستان کے سلسلہ میں دی گئی تھی، اس سلسلہ میں کچھ ایسی غلط باتوں کا ارتکاب ہو گیا جن سے اس طبقہ کے اُن نمائندوں کو جو حکومت میں دخیل تھے، اہل دین کو بدنام کرنے اور کچلنے کا ایک بہانہ مل گیا اور اس موقع سے انہوں نے جی بھر کر فائدہ اُٹھایا، پہلے تو طاقت کے استعمال سے عوام کو سراسیمہ کیا گیا، اور پھر علماء کے خلاف پروپیگنڈے کی ایک مہم چلائی گئی، جس کے خاص خاص نعرے یہ تھے "ملّا سے ہشیار رہو"، "ملّا اقتدار کا بھوکا ہے"، "ملّا کی حکومت سے اللہ کی پناہ"۔ "اسلامی حکومتوں کو ہمیشہ ملاہی نے تباہ و برباد کیا ہے" ان نعروں کے کتبات آویزاں کیے گئے۔ انہیں زبانوں پر چڑھا کر ملک کی فضا کو علماء کے خلاف نفرت سے بھر اگیا۔ اس کے بعد ایک تحقیقاتی عدالت[1] بٹھائی گئی۔ . .

. . . .

. . . .

[1] اس موقع پر تحقیقاتی عدالت کے متعلق جو سطور درج تھیں وہ ہم نے حذف کر دی ہیں۔

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ کے بعد فضا اس بات کے لیے ہموار ہو چکی تھی کہ علماء کو مذہبی مجنون، فسادی اور ملک دشمن قرار دے کر سیاسیات میں دخل دینے کی ممانعت کر دی جائے، اور صاف صاف اعلان کر دیا جائے کہ اس ملک میں اسلامی حکومت قائم نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس مغرب زدہ طبقہ کا ایک نمائندہ جب سیکرٹریٹ سے اُبھر کر وزارت داخلہ کی کرسی پر پہنچا تو اب تک کے سارے لاگ لپیٹ کو ختم کر کے اعلان کر دیا کہ پاکستان میں اسلامی حکومت کے قیام کا کوئی سوال نہیں، اس کے لیے جدوجہد کرنے والی ایک منظم جماعت کے لیے کراچی میں ارشاد ہوُا کہ یہ جماعت اگر اپنی سرگرمیوں کو مذہبی معاملات تک محدود نہیں کرے گی تو اس کے ساتھ سختی سے پیش آیا جائے گا، اور لکھنوٗ کے ہوائی اڈے پر اس نعرۂ حق کو بلند کرنے والے تمام علماء کے متعلق شاعرانہ زبان اور نادرشاہانہ انداز میں فرمایا گیا کہ ان سب کو چاندی کی کشتی میں لگا کر ہندوستان بھیج دوں گا۔

الغرض اب تک جو چیز دلوں میں تھی وہ زبان پر آگئی ہے۔ نفاق کے پردوں میں جو کچھ نہاں تھا وہ عیاں ہو گیا ہے اور بلاشبہ یہ پاکستانی قیادت کی سچی ترجمانی ہے جو اسکندر مرزا صاحب نے کی ہے اور اس لحاظ سے اسکندر مرزا صاحب پاکستانی کابینہ کے سب سے زیادہ قابل قدر رکن ہیں کہ انہوں نے بات صاف صاف کہدی — لیکن ایک بات میں مرزا صاحب بھی اپنے اکابر ہی کی تقلید کر گئے۔ کیا اچھا ہوتا کہ وہاں بھی وہ بات صاف ہی کہہ جاتے۔ انہوں نے اسلامی حکومت قائم کرنے کے سوال کو اس لیے غلط قرار دیا کہ تیرہ سو برس کے عرصہ میں کہیں دنیا میں اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی، حالانکہ بات اگر وہ صاف صاف کہتے تو یوں کہتے کہ ہم نہیں چاہتے، اس لیے اسلامی حکومت قائم نہیں ہو سکتی اس بات کو خواہ کوئی بُرا سمجھتا مگر غلط قرار نہیں دے سکتا تھا بخلاف اس دلیل کے جو انہوں نے پیش کی کہ اس کو تو بجز اپنا جرم ہلکا کرنے کی کوشش کے اور کچھ نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس لیے کہ بحیثیت دلیل کے اس کا کوئی وزن نہیں؛ — اوّلاً اس لیے کہ یہ بات واقعہ کے اعتبار سے بالکل غلط ہے انہوں نے شاید خلافتِ راشدہ اور اسلامی حکومت کو ہم معنی سمجھا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اسلامی حکومت تو مسلمانوں کی ہر وہ حکومت ہے جس میں اللہ و رسول کے احکام کو قانونی حیثیت حاصل ہو، بخلاف خلافتِ راشدہ کے کہ

وہ تو اس حکومت کا ایک انتہائی مثالی نمونہ ہے جس میں صرف اسلامی قانون ہی نافذ نہیں کیا جاتا بلکہ نبوت کی پوری نیابت کی جاتی ہے اور خلیفہ نبی کے ایک ایک قدم سے قدم ملا کر چلنے کی کوشش کرتا ہے ـــــ یہ صورت یقیناً اسلامی حکومت میں زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکی، مگر جہاں تک اسلامی قانون کو قانون مملکت کی حیثیت حاصل ہونے کا تعلق ہے تو یہ بات تو اموی دور میں بھی رہی، عباسی دور میں بھی رہی، اور عثمانی ترکوں کے دور میں بھی رہی! یہ الگ بات ہے کہ اس پر عمل پورا پورا رہا یا نہیں۔ اگر نہیں رہا اور ہمیں تسلیم ہے کہ نہیں رہا ـــــ تو کون ہے کہ دیانت داری کے ساتھ کہہ سکے کہ اس میں اس قانون کا کوئی قصور تھا؟ یہ تو سب اس نظام حکومت میں ایک غیر اسلامی شئے (ملوکیت) کا قلم لگنے کا طفیل تھا کہ یہ قانون اپنی پوری روح اور تمام وسعتوں کے ساتھ نافذ نہیں رہ سکا ـــ اور آپ سے اس وقت "ان مگردن زدنی" علماء کا مطالبہ اس سے زیادہ کب ہے کہ آپ پاکستان کے آئین کے لیے قرآن و حدیث کو بنیاد تسلیم کر لیجیے تاکہ اس کی بنیاد پر مملکت کا قانون اسلامی قانون ہو سکے۔ رہا اس کو عمل میں لانے کا مسئلہ؟ تو نہ وہ پہلے ناقابلِ عمل تھا اور نہ اب ناقابلِ عمل ہے۔ بلکہ یہ اُن لوگوں پر موقوف ہے جن کے ہاتھ میں اس قانون کا نفاذ ہو! اگر وہ لوگ باہمت ہوئے تو یہ من وعن نافذ ہوگا جیسا کہ پہلے ہوا ہے اور اگر کم ہمت، نفس پرست اور بندگانِ عیش و طرب ہوئے تو اس میں رخنے پڑیں گے جیسے کہ پہلے پڑے۔

الغرض اولاً تو یہ بات ہی غلط ہے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد پورے تیرہ سو برس کے عرصہ میں کسی حکومت کا آئین و قانون اسلامی نہیں رہا۔ دوسرے اگر یہ صحیح بھی ہو تو یہ آخر اس بات کی دلیل کیسے بن سکتی ہے کہ ہو بھی نہیں سکتا؟ اسکندر مرزا صاحب تاریخ سے ایسی کوئی ایک مثال پیش کریں کہ فلاں حکمران نے چاہا کہ اس کی حکومت کا قانون اسلامی ہو مگر تجربہ سے ثابت ہوا کہ یہ ناقابلِ عمل اور نامناسب ہے! ہمارا دعویٰ ہے کہ تاریخ کے تمام دفتر چھان لینے کے بعد بھی ایسی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ اس کے برعکس ہم آج بیسویں صدی میں ایک ایسے ملک کی طرف اشارہ کر سکتے ہیں جس نے اسلام کے قوانین پر عملدرآمد شروع کیا تو ہندوستان جیسی غیر اسلامی اور سیکلر اسٹیٹ کا وفد اس کے نتائج دیکھ انگشت بدنداں رہ گیا۔

اور اس نے اپنے ملک میں آکر بے ساختہ اس تاثر کا اظہار کیا کہ ہم نے اس فتنہ و فساد سے بھری ہوئی دنیا میں ایک گہوارۂ امن و امان دیکھا ہے ـــــ یہ ملک سعودی عرب ہے:

اسلامی نظامِ حکومت تو خیر صدہا برس تک اس دنیا میں قائم رہ چکا ہے اور نہ صرف قائم رہ چکا ہے بلکہ اس کا آئیڈیل تک عالم وجود میں آچکا ہے اور یہ فخر تنہا نظام اسلامی ہی کو حاصل ہے ورنہ دنیا میں جتنے بھی نظام فلاح انسانی کے لیے پیش کیے گئے ان کا آئیڈیل ہمیشہ پیش کرنے والوں کے تصور ہی میں رہا۔ تصور سے نکل کر عالم وجود میں کبھی نہیں آسکا۔ آج بھی کمیونزم اور جمہوریت جو ساری دنیا پر چھائے ہوئے ہیں اپنے آئیڈیل کا چہرہ دیکھنے کے لیے ترستے ہیں اور یقین ہے کہ عمر بھر ترستے ہی رہیں گے۔ پس ایک ایسے نظام کا تو سوال ہی کیا یہ دلیل تو کسی ایسے نظام کے مقابلہ میں بھی غلط ہے جس کا سرے سے کبھی وجود ہی نہ ہوا ہو اور وہ محض عالم تخیل میں ہو ـــــ اور اگر یہ دلیل کوئی دلیل ہوتی تو دنیا میں کسی شخص کو کوئی نئی بات پیش کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوتی اور انسان ترقی کی طرف ایک قدم بھی نہ بڑھا سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ خواہ یہ مانا جائے کہ تیرہ سو برس کے بیشتر حصہ میں زمین کے ایک بڑے حصے پر اسلامی قانون کو قانونِ حکومت کی حیثیت حاصل رہی اگرچہ اس پر پورا عمل نہیں ہوا۔ یا یہ مانا جائے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد کسی حکومت کا دستور و قانون اسلامی نہیں رہا۔ ان دونوں میں سے کوئی بات بھی اس نتیجہ پر نہیں پہنچاتی کہ اسلامی حکومت قائم نہیں ہو سکتی۔ یہ نتیجہ تو جب صحیح ہو سکتا ہے جبکہ کچھ مثالیں اس قسم کی پیش کی جائیں کہ فلاں حکومت نے اپنا دستور و قانون اسلامی بنانا چاہا مگر وہ ناکام رہی یا اس پر عملدرآمد کیا گیا تو عوام نے اسے اپنے لیے مضر اور ناقابلِ قبول قرار دیا۔ مگر اسلامی تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوا، نہ کسی حکومت نے نیک نیتی کے ساتھ ارادہ کرنے کے بعد قرآن و حدیث کو ناقابلِ عمل پایا اور نہ اس کے عوام نے اسلامی قانون کو ناقابلِ قبول قرار دیا بلکہ ہمیشہ اس کے لیے اپنی آغوش وا کر دی، اور علی الرأس والعین کہہ کر استقبال کیا۔ البتہ ایک چھوٹا سا گروہ ضرور ایسا نظر آتا ہے جس کے حلق سے اسلامی قانون نہیں اترتا تھا کیونکہ یہ قانون اس کی ناجائز خواہشات کی راہ میں سنگِ گراں تھا یہی گروہ تھا جس نے عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زہر کا پیالہ دیا کیونکہ انہوں نے ساٹھ سال کے بعد حکومت میں

پھر خلافت راشدہ کا رنگ ابھرا تھا اور اس گروہ کی ناجائز خواہشات کا راستہ بند کر دیا تھا اور آج بھی یہی گروہ ہے جو اسکندر مرزا جیسے لوگوں کی شکل میں مسلمانوں میں موجود ہے جو سمجھتا ہے کہ اسلامی دستور اور اسلامی قانون اس کی ناجائز خواہشات کے لیے موت کا پیغام ہے! پہلے زمانہ کے اس گروہ نے (جو خاندانِ خلافت اور امراء پر مشتمل تھا) اسلامی قانون کی کوئی مخالفت نہیں کی بلکہ صرف اُن افراد کو ہٹانا کافی سمجھا جو اس قانون کو اس کی پوری روح کے ساتھ نافذ کرنا چاہتے تھے کیونکہ مطلق العنانی کے اس دور میں یہ بات آسان تھی کہ ملک کا قانون تو اسلامی رہے مگر اصحابِ اقتدار اپنی پرائیویٹ زندگی میں اور اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے جو چاہیں کریں۔ وہ کسی کے سامنے جوابدہ نہ تھے مگر اس زمانہ کا یہ گروہ جانتا ہے کہ اب صورتِ حال مختلف ہے۔ مطلق العنانی کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اب عوام کا ایک ایک فرد حکمراں کی زندگی کا احتساب کر سکتا ہے، الیکشن کے ذریعہ ہر چند سال بعد حکومت کو بدلا جا سکتا ہے۔ اس لیے وہ سرے سے اسلامی دستور اور قانون ہی کا راستہ روکنا چاہتا ہے، مگر دلائل کی طاقت سے محروم ہونے کی بنا پر اس قسم کی لچر اور مغالطہ آمیز باتیں کہہ کر اپنے رویہ کو حق بجانب ثابت کرنا چاہتا ہے کہ تیرہ سو برس میں کہیں اسلامی حکومت قائم ہوئی ہی نہیں اور جب ان باتوں سے کام چلتا نہیں دیکھتا تو نشۂ قوت میں مدہوش ہو کر تشدد کی دھمکیاں دینے لگتا ہے اور کچھ الزامات تراش کر اپنے اس آخری ہتھیار کو استعمال کر ڈالتا ہے۔

ہم نے اسکندر مرزا صاحب کی دلیل پر جو کچھ کہا ہے وہ اس خیال کی بنیاد پر کہا ہے کہ وہ خلافتِ راشدہ کے قرآنی حکومت ہونے سے انکاری نہیں ہیں اور تیرہ سو سال سے ان کی مراد اس کے بعد سے ہے لیکن اگر ان کے انکار میں خلافتِ راشدہ کا دور بھی داخل ہے جیسا کہ اکثر حضرات نے سمجھا ہے تو پھر کچھ بعید نہیں کہ کل کو اگر انہیں کوئی دن میں شراب نوشی کرتے ہوئے دیکھے اور کہے کہ حضرت آپ نے تو فرمایا تھا کہ "میں سچا مسلمان ہوں اور غروبِ آفتاب سے قبل کبھی شراب نہیں پیتا" تو وہ جواب میں کہہ دیں کہ اس دنیا پر کبھی آفتاب طلوع ہوا بھی ہے؟ یقیناً وہ اتنے جری ہیں کہ دن کو رات اور رات کو دن، سپید کو سیاہ اور سیاہ کو سپید کہہ دیں اور وہ ہکی کے نشہ میں سمجھ لیں کہ حقائق ان کی زبان کے تابع ہیں ـــــ اس موڈ کا آدمی قطعی طور پر مرفوع القلم ہے اور ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اس کی کسی بات کا نوٹس لیا جائے اور اسے کوئی سنجیدہ جواب دیا جائے۔